آزادی کا تصور:

اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں

آزادی

از: آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

آزادی کا موضوع ایک ایسا مبارک موضوع ہے جس کو اسلامی انقلاب کے ان بنیادی اور اصولی مباحث میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیگر اصولوں کی طرح جتنا زیادہ تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کیا جائے اتنا ہی مفید وکارآمد ثابت ہوگا اور ساتھ ہی ساتھ انقلابی تمدن وثقافت کو گہرائی اور گیرائی بھی حاصل ہوتی رہے گی۔ آزادی ایسا قیمتی موتی ہے جس کی پرکھ کے لئے فکری استقلال اور بیگانہ افکار ونظریات سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے اس کے معنی ومفہوم اور حدود وحدود سے ناجائز فائدہ کی روک تھام لازمی ہے۔

ایک عرصہ سے بعض رسالوں میں اس مظہر الٰہی کے بارے میں ایسا اظہار خیال کیا جارہا ہے جیسے اسلامی ملک ایران میں آزادی کبھی نہیں رہی یا یہ ایک ایسا عطیہ ہے جس کو فقط مغرب سے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی انقلاب کے قائد عظیم الشان کی حکیمانہ ہدایات درحقیقت ایسا خطاب تھا جس کی روشنی میں آزادی کی حدود اور اس سے جڑے ہوئے بنیادی مسائل کے بارے میں ماہرین اسلام کے افکار وعقائد کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

دانشگاہ تربیت مدرس کے طالب علموں کی ایک جماعت سے اپنی گفتگو کے دوران معظم لہ نے آزادی کے بارے میں ایک جامع، دلکش اور اچھوتا تبصرہ پیش کیا جس کی وسعت وجامعیت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آزادی اسلامی نگر افکار وعقائد

کے دلکش وخوبصورت باغ کا دریچہ کھول دیا ہے اور اسلامی آزادی کا دلکش منظر ہی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اگر اس حقیقت پر بھروسہ کیا جائے کہ آزادی سب سے پہلے فطرت الٰہی سے ماخوذ اور اس کا کرشمہ ہے۔ تو جو چیز بنی نوع انسان کو آزادی کی طرف سب سے پہلے دعوت دیتی ہے وہ دین ومذہب ہے۔

اسلامی اور مغربی نقطہ نظر سے آزادی کا بھرپور تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے آیت اللہ خامنہ ای نے دینی اور اسلامی نقطہ نظر کی گہرائی کو پوری طرح نمایاں کر دیا اور مزید ارشاد فرمایا کہ وہ آزادی کے سلسلے میں اپنی محققانہ گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ بہر حال آزادی جیسے اہم موضوع پر ان کی مختلف تقریروں پر مشتمل مقالہ کا اردو ترجمہ حاضر خدمت ہے جس کی جاذبیت وافادیت کا فیصلہ قارئین کرام کا حق ہے۔ ادارہ

اسلام اور آزادی:

اسلامی اور قرآنی نقطہ نظر سے آزادی کی بحث درحقیقت ان اہم اسلامی اور سماجی مباحث میں سے ایک ہے جس کا اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ معاشرہ کے سلسلے میں اسلامی حکومت کی دو اہم ذمہ داریاں ہوا کرتی ہیں۔ ایک فریضہ وذمہ داری معنوی امور سے متعلق ہوتی ہے جبکہ دوسرے فریضہ کا تعلق مادی فلاح وبہبود سے ہوتا ہے۔

معنوی وظائف جیسے تعلیم وتربیت، تزکیہ وپاکیزگی معاشرہ اسلامی ثقافت کی گہرائی میں ریڈیو اور ٹیلیویژن سے استفادہ کرنا اور بیرونی تہذیب وثقافت کی روک تھام کرنا وغیرہ ہے جبکہ سماج میں معنوی وظائف کے سلسلے میں حکومت کی ذمہ داریوں میں معاشرہ کے لوگوں کے لئے آزادی کی فراہمی، مخرب ومفسد اور متوقف کرنے والی پابندیوں سے انسان کی آزادی کی زمین ہموار کرنا اور انسان کی ترقی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کے خلاف جدوجہد کرنا ہے جس کو معاشرہ کے لوگوں کے لئے آزادی فراہم کرنے والی جدوجہد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ اسلامی حکومت کی ایک انتہائی واجب ولازم کوشش ہے جس کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ بات قطعی نا قابل یقین ہے کہ اسلامی جمہوریت موجود ہو اور اس کے ذریعہ معاشرہ کے لوگوں کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری نہ ہو۔

موضوع کی مکمل وضاحت کے لئے آزادی کے حقیقی مفہوم ومقصد اور اس کی حدود کا تعین لازمی ہے اور یہ بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی آزادی اور مغرب میں پائی جانے والی آزادی کے درمیان کیا فرق ہے۔ ان موضوعات کی وضاحت کے بعد عی سماج کے لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل ہوسکتا ہے اور معاشرہ کے ذمہ دار حاکموں کو اپنا لائحہ عمل تیار کرنے میں بھی یہ وضاحت بڑی مفید وکار آمد ثابت ہوگی۔

دنیا میں موجود تمام حکومتیں چاہے وہ مشرقی بلاک سے وابستہ ہوں یا مغربی جمہوریت سے، سب اس بات کی مدعی ہیں کہ ان کی حکومت میں آزادی کا بول بالا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک حکومت آزادی کے بارے میں ایک مخصوص عقیدہ کی حامل ہے جبکہ آزادی کے حقیقی معنی ومفہوم کی وضاحت کے بعد یہ ممکن ہے کہ مختلف حکومتوں نے آزادی کا جو تصور اپنا رکھا ہے وہ زیر سوال آجائے۔ اس بحث کی روشنی میں یہ بھی ممکن ہے کہ آزادی کی دعویدار دنیا کی مختلف حکومتوں کے درمیان موجود آزادی مشکوک ہو اور وہ لوگ حقیقی آزادی کے طلبگار ہوجائیں۔

ایک شک کا ازالہ:

مفہوم آزادی کی مکمل وضاحت سے قبل ایک موضوع قابل بحث ہے کہ کیا بنیادی طور پر اسلامی معارف اور دینی متون میں آزادی نام کی کوئی چیز موجود ہے یا نہیں؟ ممکن ہے کہ بعض افراد یہ خیال کریں کہ ادیان ومذاہب درحقیقت حریت وآزادی نام کی چیز سے بالکل موافقت نہیں رکھتے اور سماجی آزادی، انفرادی آزادی اور انسان کے آزاد ہونے کی بات تو سب سے پہلے یورپ میں وجود میں آئی اور آپ لوگ مسلمہ آزادی کو اسلام سے چسپاں کرنے

میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ ایک بیہودہ کوشش ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام یا دیگر ادیان ومذاہب کا آزادی سے کوئی سروکار نہیں ہے اور آج دنیا میں آزادی کا جو سیاسی۔سماجی مفہوم رائج ہے وہ پوری طرح ایک یورپی اور مغربی تصور ہے جو فرانس کے عظیم انقلاب یا مغربی مکاتب فکر سے جڑے ہوئے دیگر انقلابات کا عطیہ ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔پس دیکھنا یہ چاہئے کہ مذہب اسلام میں بنیادی اعتبار سے آزادی کا کوئی مفہوم یا تصور پایا جاتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مکمل وثوق واعتماد کے ساتھ واضح کردینا چاہئے کہ جملہ مفروضات کے برعکس یورپ کے مفکرین ودانشوروں اور انقلابی رہنماؤں کے ذریعہ آزادی بشر کو انسانی حقوق کا جز ولازم قرار دینے سے صدیوں قبل اسلام میں انسان کی آزادی کا مفہوم موجود تھا۔

اگر آزادی کا وہ لطیف وبلند معنی ومفہوم مراد لیا جائے جس سے آلائش، ھوئی وہوس اور رذائل و مادی قید وبند سے انسانی روح کی آزادی مقصود ہے تو یہ آزادی تو آج بھی الٰہی مکاتب فکر پر منحصر ہے اور ابھی یوروپی ومغربی مکاتب کو اس کی بھنک تک نہیں لگی ہے اور اٹھارویں صدی میں فرانس کے عظیم انقلاب کے بعد جو آزادی مغربی دنیا میں رائج ہوئی وہ عظمت واہمیت کے اعتبار سے الٰہی مکاتب فکر کی پیش کردہ آزادی سے بہت کم اور نہایت محدود ہے۔فقط اتنا ہی نہیں بلکہ اگر آزادی کا وہی مفہوم مراد لیا جائے، جو موجودہ سیاسی مکاتب میں رائج ہے جیسے سیاسی، سماجی اور اقتصادی آزادی ور فکروخیال وعقیدہ کی آزادی وغیرہ تو ان میں سے ہر ایک موضوع کے بارے میں مختلف تفسیریں موجود ہیں اور ان مسائل کے بارے میں یوروپی انقلاب ومکاتب فکر کی تشکیل سے صدیوں قبل مذہب اسلام آزادی کے اس تصور کو انسانی معاشرہ میں پیش کرچکا ہے۔

آیۂ مبارکہ " وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ سورہ اعراف: ۱۵۷" ان آیتوں میں سے ایک ہے جس کو سنہرے حروف سے لکھ کر ان تمام عالمی تنظیموں کے صدر دروازہ پر کندہ کر دینا چاہئے جو دنیا میں انسانی حقوق کیلئے جدوجہد کر رہی ہیں۔

یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کی شخصیت اور قرآن مجید میں موجود ان کے اوصاف میں سے ایک وصف کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں جن میں پیغمبر اور ان کے اصحاب کی شخصیت کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے اور ہر آیت میں ان کی شخصیت کے عظیم پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی وضاحت موجود ہے اور ان آیات کے درمیان مذکورہ آیہ کریمہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

اس آیت میں مجموعی اعتبار سے جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام انسان کے پیروں میں پڑی ہوئی موٹی ریسمان اور بیڑیوں کو کاٹ دیتا ہے اور پیروں میں پڑی ہوئی بیڑی کی کڑیوں اور رسی کی گانٹھوں کو جو پیروں کو اٹھنے نہیں دیتیں اور انسان کی چال اور پرواز میں رخنہ اور رکاوٹ ڈالتی ہیں اور انسان کو ترقی اور کمال نہیں حاصل کرنے دیتیں، کاٹ کر الگ کر دیتا ہے۔ لغت میں "اصر" اس مضبوط ریسمان کو کہا جاتا ہے جو خیمہ گاہ کے کھونٹے سے بندھی ہوتی ہے اور جس کو کھونٹے کے ساتھ زمین کے اندر گاڑ دیا جاتا ہے اور جب تک ریسمان کھونٹے سے بندھی رہتی ہے خیمہ اپنی جگہ پر قائم رہا کرتا ہے آج کی نئی دنیا میں رائج انواع واقسام کی پابندیاں، امتیازات اور محدودیت وتعصبات کی وجہ سے انسان درحقیقت ایک حیوان کی شکل اختیار کر چکا ہے اور یہ تمام پابندیاں بند اسارت کا درجہ رکھتی ہیں۔ "اصر" کا مطلب انسانوں پر مسلط کردہ محدودیت وپابندیاں جو نہایت عجیب وغریب مفہوم کی حامل ہیں۔ اگر آپ اس دور کے مذہبی معاشروں کے حالات کو نگاہ میں رکھیں تو آپ کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ انسانوں پر مسلط کردہ یہ تمام معاہدے درحقیقت مختلف غلط سماجی پابندیوں اور باطل وخرافاتی افکار وعقائد پر مشتمل ہیں اور ظلم وتحریف یا احمق بنا کر انھیں لوگوں پر

ٹھونس دیا گیا تھا اور آج اکثر مغربی معاشروں میں لوگ ایسی ہی زندگی بسر کررہے ہیں اور ان میں انسانی صفات کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کس چیز نے اس حالت میں اسیر کررکھا ہے؟

کیا یہ ان انسانوں میں سے نہیں ہے جس کی ایک فرد کبھی کبھی ایک قوم، ایک سماج اور ایک ملک کو آزادی فراہم کردیتا ہے؟

''ہر انسان اس دنیا میں آزاد پیدا ہوا ہے۔'' یہ جملہ انقلاب فرانس کی اہم دستاویز میں درج اور آج دنیا کے اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہے لیکن کم ہی لوگوں کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہے کہ چودہ سو برس پہلے سے یہ جملہ معتمد اسناد ومدارک میں درج ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔

''کسی دوسرے کے غلام مت بنو کیونکہ خداوند عالم نے تمہیں آزاد خلق کیا ہے''

(حضرت علی علیہ السلام)

اسلام کے ظہور سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہتے ہیں۔ ''تو نے میرے اوپر احسان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا ہے اور ان کی آزادی چھین لی ہے۔'' اس جگہ دوبارہ آزادی اور غلامی کا ذکر موجود ہے۔

اسلامی معارف اور تاریخ صدر اسلام میں اس لفظ کو اسی معنیٰ ومفہوم کے ساتھ باربار دہرایا گیا ہے کہ شک وتردید کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

خلیفہ دوم کے دور حکومت میں ''عمروعاص'' مصر کا گورنر تھا اس کے بیٹے سے ایک دیہاتی نوجوان کی جھڑپ ہوگئی اور گورنر کا بیٹا اس نوجوان کے منہ پر تھپڑ ماردیتا ہے۔ وہ دیہاتی آدمی عمروعاص کے پاس آیا اور قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے بولا۔ تمہارے لڑکے نے میرے لڑکے کو مارا ہے لہٰذا اس کی بھی پٹائی ہونی چاہئے۔

عمروعاص نے ان لوگوں کو بڑی لاپرواہی کے ساتھ باہر نکال دیا۔

وہ دونوں باپ بیٹے مدینہ آگئے اور مسجد میں خلیفہ کے سامنے اپنی شکایت پیش کی۔ خلیفہ نے فوراً حکم جاری کردیا کہ عمرو عاص اور اس کے بیٹے کو دربار خلافت میں پیش کیا جائے۔

ان دونوں کو مسجد میں خلیفہ کے سامنے پیش کردیا گیا۔ خلیفہ نے کہا کہ یہ دیہاتی نوجوان گورنر کے بیٹے سے قصاص لے اور گورنر کو بھی سزا دی جائے۔

گورنر نے پوچھا ''مجھے کیوں سزا دی جائے۔''؟

جواب دیا۔ ''تم کو اس لئے سزا دی ملنی چاہئے کہ تمہارے لڑکے نے تمہاری طاقت کے بھروسے یہ کام انجام دیا ہے۔'' اس کے بعد خلیفہ کی زبان سے برآمد ہونے والا یہ جملہ تاریخ کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے کہ عمرو عاص کو مخاطب کرتے ہوئے خلیفہ نے کہا: تم نے ان لوگوں کو کب سے اپنا غلام بنالیا ہے جبکہ ان کی ماں نے ان لوگوں کو اس دنیا میں آزاد خلق کیا ہے:

اگر اسلام میں آزادی ایک ثقافتی اور تمدنی روایت کی حیثیت سے رائج نہ ہوتی تو خلیفہ نے اس بات کو اتنی اہمیت نہ دی ہوتی کہ اپنے گورنر کو بلا کر اسے سزا دینے کے لئے اس معرفت آمیز اسلامی جملے کو سند کی حیثیت سے نقل نہ کرتے۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس بات سے سبھی لوگ واقف تھے اور یہ عمل اس دور کی ملت اسلامیہ کے درمیان پوری طرح رائج تھا اور ملت اسلامیہ کے ہر فرد کو بخوبی معلوم تھا کہ تمام انسان آزاد ہیں اور ان کی ماؤں نے ان لوگوں کو اس دنیا میں آزاد خلق کیا ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کو اپنا اسیر، غلام یا بندہ بنا کر ان لوگوں سے ان کا آزادی کا حق سلب کرے۔

اگر ہم آزادی کے سلسلے میں اسلامی نظریات کی صحیح وضاحت کریں تو جھوٹی، بناوٹی اور گمراہ کن آزادی کی ڈینگ مارنے والے ملکوں سے ہم یہ مطالبہ کرسکتے ہیں کہ وہ عوام کو حقیقی آزادی کیوں نہیں حاصل کرنے دیتے؟ آزادی کے نام پر لوگوں کو مختلف مظالم کا شکار کیوں بنائے ہوئے ہیں؟ پس موجودہ عالمی انسانی معاشرہ اور سیاسی تمدن میں جس سماجی آزادی کی

بات کی جارہی ہے اس کی جڑیں قرآن اور اسلام میں موجود ہیں۔ اور ہم لوگوں کو اس بات کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اٹھارویں صدی کی یوروپی لبرل ازم یا آزاد خیالی کی طرف رجوع کریں اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ کانٹ ، جان اسٹوارٹ میل اور دیگر لوگوں نے آزادی کے سلسلے میں کیا کہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم خود ہی منطقی افکار وعقائد کے حامل ہیں اور بعض دلائل کے بموجب ان لوگوں کے اقوال سے ہمارے مسائل حل ہونے والے نہیں ہیں۔

آزادی کو اسلام مخالف ثابت کرنے کی کوشش:

دو گروہ ایسے ہیں جو آزادی کو ذاتی ملکیت قرار دینے اور اسلام مخالف ثابت کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کررہے ہیں۔

الف: ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو گذشتہ دو تین صدیوں کے دوران گذرنے والے مغربی فلاسفہ اور دانشوروں کے اقوال کو باربار بطور حوالہ پیش کرتے ہوئے مغرب کو آزادی کا خالق قرار دیتے ہیں۔ البتہ یہ لوگ نجابت وشرافت کے حامل ہیں اسی وجہ سے نقل قول میں امانت داری سے کام لیتے ہیں لیکن بعض ایسے اخباری فلسفی نما بھی پائے جاتے ہیں جو ”جان اسٹوارٹ میل“ یا کسی دوسرے فرانسیسی ، جرمنی یا امریکی فلسفی کا قول تو پیش کرتے ہیں لیکن اس کا نام نہیں ظاہر کرتے بلکہ اسے خود اپنا مقولہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ یہ تقلب اور خلاف ورزی اس لئے کرتے ہیں کہ یہ فکر رائج ہوجائے کہ آزادی کا خیال اور سماجی آزادی کا مفہوم درحقیقت ایک مغربی فکر ہے اور مغرب نے ہم لوگوں کو ایک تحفہ پیش کیا ہے۔

ب: دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو ناوابستہ طور پر اس خیال کی حمایت کرتے ہیں۔ ان میں وہ لوگ شامل ہیں جو آزادی کا مفہوم پیش ہوتے ہی مرعوب ہوجاتے ہیں۔ ان پر ایک طرح کی وحشت طاری ہوجاتی ہے اور وہ یہ نعرہ لگانا شروع کردیتے ہیں کہ دین ہاتھ سے گیا! جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ دین تو آزادی کا سب سے بڑا پیغامبر رہا ہے۔ پھر ایسا کیوں سوچا جائے کہ آزادی کا نام لیتے ہی دین ہاتھ سے چلا جائے گا؟! درحقیقت صحیح اور

معقول آزادی کسی قوم یا سماج کے لئے سب سے بڑا دینی اور مذھبی ہدیہ ہے۔ یہ آزادی کی برکت ہے کہ سماج کو فکری ترقی حاصل ہوتی ہے اور استعداد میں غیر معمولی نکھار پیدا ہوتا ہے۔ ظلم واستبداد در حقیقت استعداد وصلاحیت کا مخالف ہے پس جہاں ظلم ہوگا وہاں استعداد میں اضافہ کا امکان ہر گز نہیں ہے اور اسلام انسانوں کی ترقی وخوشحالی کا خواہاں ہے۔ عظیم انسانی وسائل کو فطری وسائل کی طرح استخراج کرنا چاہیئے تا کہ وہ لوگ دنیا کو آباد کرسکیں اور آزادی کے بغیر یہ کام قطعی ممکن نہیں ہے۔ غور وفکر کی ضرورت ہے کہ کیا آزادی کے بغیر یہ کام ممکن ہے؟ کیا امر ونہی کے ذریعہ یہ کام ممکن ہے؟ اس طرح مغرب پرست گروہ والے انجانے میں احتیاط کنندگان کی بھرپور مدد کرتے ہیں تا کہ آزادی کے مفہوم کو پوری طرح اسلامی حوزہ سے خارج کردیں۔ جبکہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آزادی کا مفہوم ایک اسلامی مفہوم ہے اور اسلام جس چیز کو اجتماعی اور سماجی آزادی کہتے ہیں، مغربی مکاتب فکر کے مقابلے میں، اس کو زیادہ اہمیت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

آزادی کا مفہوم:

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ دنیا کے کسی مکتب فکر، کسی سماجی یا فلسفیانہ نظریہ یا کسی تہذیب تمدن میں آزادی کا مفہوم ہر طرح کی پابندیوں اور کسی فرد کی راہ میں آنے والی ہر قسم کی رکاوٹوں سے نجات حاصل کرنا نہیں ہے۔ آزادی کا مفہوم کسی کو جو جی چاہے یا اپنی من مانی کرنے کی اجازت ہر گز نہیں دیتی ہے۔ بغیر روک ٹوک کی آزادی یعنی آزادی مطلق کی طرفداری دنیا میں کسی نے بھی نہیں کی ہے اور یہ کام ممکن بھی نہیں ہے۔ بفرض محال اگر انسانی معاشرہ میں کسی آدمی کو اس کی من مانی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کی راہ میں کسی رکاوٹ یا پابندی کا گزر نہ ہوتو فطری طور پہ وہ اپنی اس آزادی کے ذریعہ سماج کے دوسرے بہت سے لوگوں کی آزادی کو محدود کردے گا اور ان لوگوں کا سکون واطمینان چھن جائے گا۔ پس سماج میں انسان کی مطلق آزادی کا تصور نہ ممکن ہے اور نہ کوئی اس کا طرفدار۔

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں ایسا بھی کوئی ہوگا جو آزادی مطلق کو دعوت دے یہاں تک کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں یوروپ میں رونما ہونے والے لاحکومتیت اور طوائف الملوکی (Anarchism) کے طرفداروں نے ہر طرح کے سماجی بندھن اور قوانین سے آزادی کا نعرہ تو بلند کیا تھا لیکن وہ لوگ بھی کسی حد تک قانون وقاعدہ کے معتقد تھے اور اس کی عملی پیروی بھی کیا کرتے تھے۔

پس مطلق آزادی جس میں انسان کو اپنے ارادہ کے مطابق ہر عمل انجام دینے کی آزادی حاصل ہو نہ منطقی ہے اور نہ ممکن۔

آزادی کی حدود:

سردست آزادی کی حدود ہماری بحث کا موضوع ہے اور بالآخر یہ دیکھنا ہے کہ اس مطلق آزادی کو ایک جگہ پر محدود کردیا جائے ۔ اگر انسان اپنی پسندیدہ اور پرسکون زندگی بسر کرنے کا خواہاں ہے تو اس کو یہ بات بہر حال تسلیم کرنی ہوگی کہ اس کی آزادی میں سے کچھ کم کرتے ہوئے اس کی ایک آخری حد معین کردی جائے ۔ سماجی علوم کے ماہرین، فلاسفہ اور مفکرین کے درمیان اس موضوع پر بحث جاری ہے اور یہ طے کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ آزادی کی سرحد کہاں ہے؟ انسان کس حد تک اور کس بنیادی نظریہ کے مطابق آزادی سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں اور وہ کونسی آخری حد ہے جہاں پہونچنے کے بعد ان کی آزادی پر روک لگادی جانی چاہئے۔

آزادی کی حدود کے بارے میں مغربی فلاسفہ کا نظریہ:

عالمی سطح پر رائج تہذیب وتمدن میں مغربی فلاسفہ نے پہلی بار اس موضوع پر اپنے عقائد ونظریات کا اظہار کیا اور اس کے بارے میں کتابیں بھی تالیف کیں اور غالباً وہی اصول انسانی حقوق کے منشور میں بھی درج ہے۔جس کو موجودہ دور میں ایک اہم عالمی سند شمار کیا جاتا

ہے اور جس کو اکثر لوگ تسلیم بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے آزادی کی حدود کے بارے میں اپنے نظریات کا ذکر کیا ہے۔مثلاً آزادی کی سرحد قانون ہے۔ اگر کوئی آزاد رہنا چاہتا ہے تو اسے قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے آزادی سے لطف اندوز ہونا ہے یا یہ کہ آزادی کی سرحد اس جگہ تک ہے کہ دوسرے کی آزادی کو نقصان نہ پہونچائے۔ یہ وہ مشہور اقوال ہیں جو مغربی ماہرین سماجیات نے بیان کئے ہیں اور اکثر مسلمان مصنفین نے بھی ان کی تقلید کی ہے اور اس سلسلے میں اسلامی نظریہ کا تجزیہ کئے بغیر، قرآنی آیات کا مطالعہ کئے بغیر مغربی فلاسفہ کے خیال کی تائید میں نعرہ بلند کرنے لگے۔ البتہ ان میں سے بعض باتیں درست بھی ہیں لیکن بعض باتیں غلط، ناقابل دفاع اور غیر منطقی ہیں جن کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سردست جو باتیں عرض کررہا ہوں وہ اسلامی نقطہ نظر اور مغربی مکتب فکر کی روشنی میں آزادی کے حقیقی معنی ومفہوم اور دونوں کے درمیان موجود فرق ہے۔ آزادی کی حدود اور سرحدوں کے سلسلے میں اسلامی اور غیر اسلامی بلکہ مذہبی اور غیر مذہبی افکار وعقائد کے درمیان موجود فرق واختلاف کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاچکا اور اس سے متعلق بعض دوسرے مسائل مثلاً آزادی بیان ،آزادی فکر اور سیاسی ،سماجی اور اقتصادی سرگرمیوں میں آزادی کا ذکر بعد میں کیا جائے گا۔

اسلام اور مغربی مکاتب میں آزادی کے درمیان فرق:

آزادی کی سرحدوں کی نشاندہی اور اس کے ڈھانچے کے تعین کے سلسلے میں اسلامی افکار اور مغربی مکاتب فکر کے درمیان بنیادی اور اصولی فرق واختلاف موجود ہے۔ مغربی مکاتب فکر کی منطق آزادی کو قانون یا دوسروں کی آزادی میں خلل نہ ڈالنے کی حد تک محدود کرتی ہے لیکن اسلام بعض امور میں اس دائرہ کو اس سے زیادہ محدود کردیتا ہے اور بعض معاملات میں اس دائرہ کو قدرے وسیع بنا دیتا ہے۔ بہرحال آزادی کے سلسلے میں اسلامی نظریہ اور مغرب میں رائج آزادی کے درمیان وہی فرق ہے جو عمومی اور خصوصی کے درمیان ہوا کرتا ہے۔بعض مسائل ومعاملات میں ہم مغربی نظریہ آزادی کو نہایت محدود اور تنگ نظر اور

بعض معاملات میں لامحدود اور معمولی وسعت کا حامل پاتے ہیں جس کو بدنظمی اور لاقانونیت کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ان اختلافات کا اجمالی تجزیہ حاضر خدمت ہے۔

۱۔ اسلام خارجی رکاوٹوں کے ساتھ ساتھ داخلی رکاوٹوں کا معتقد:-

اسلام میں انسان کی آزادی کو محدود کرنے والی بیرونی رکاوٹوں مثلاً طاقت، سامراجی عناصر، ظالمین اور موٹی گردن والے غنڈوں کی موجودگی، جو کمزور اور محکومین کی آزادی کو محدود کردیتے ہیں، کے علاوہ داخلی رکاوٹوں کو بھی تسلیم کیا گیا ہے جو انسان کی آزادی کو محدود کردیتی ہیں۔ مغرب میں آزادی کی حمایت وطرفداری کرنے والے ان اسباب وعوامل کے خلاف نبرد آزمائی میں سرگرم ہیں جو بیرونی طور پر لوگوں کی آزادی کو محدود کرنے میں لگے ہوئے ہیں مثلاً بعض انسانی معاشروں میں موجود گھٹن، ان طاقتوں کا زور اور دباؤ اقوام کو سکون کی سانس نہیں لینے دیتیں یا وہ آقا جو اپنے غلام کو کوڑے لگایا کرتا ہے اور اس قسم کے دوسرے اسباب وعوامل جو انسان کے وجود سے باہر اس کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ لیکن اسلام کا نظریہ قدرے وسیع ہے اور وہ بعض دوسری رکاوٹوں کو بھی نگاہ میں رکھتا ہے مثلاً بعض انسانی خصوصیات جو اس کو کمزوری، ذلت ورسوائی اور شرمندگی میں مبتلا کردیتی ہیں۔ فاسد اخلاقیات، بیجا خواہشات، خود پسندی، بغض وعناد، بیجا چاہت وغیرہ۔ مختصر یہ کہ انسانی وجود کے داخلی عوامل بھی اسلام کی نظر میں انسان کو محدود کردیتے ہیں۔ ایک انسان کو آزاد رہنے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان یا ظالم حکومت کے دباؤ میں نہ ہو بلکہ ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی شہوانی اور غیض وغضب والی طاقت کے دباؤ میں بھی نہ ہو۔ جو شخص کمزوری، خوف، حرص وطمع اور نفسانی شہوات سے مجبور ہوکر دباؤ اور لامحدودیتوں کو تسلیم کرلیتا ہے وہ درحقیقت آزاد نہیں ہے۔

آج دنیا میں ایسی بہت سی اقوام موجود ہیں جن میں سے ہر ایک پر چند ایسے افراد پر مشتمل طاقت کی حکومت ہے جو اس ملت کے عام لوگوں سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں۔ مٹھی بھر

لوگوں پر مشتمل اس طاقت کی مثال ایسی ہے جیسے اونٹ کی مہار کسی بچے کے ہاتھ میں دیدی جائے او وہ اس کو جدھر چاہے لے جائے۔ پس یہ مٹھی بھر لوگ پوری ملت کو ان کے مفاد ومصالح کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جدھر لیجانا چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ آج دنیامیں مسلمان اور غیر مسلم عوام ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کار قومیں اس صورتحال کو کیوں تحمل کرتی ہیں؟

ایسے ملکوں میں قوموں کی غلامی کا ایک اہم سبب ان لوگوں کی داخلی اسارت وغلامی ہے۔ چونکہ وہ لوگ اندرونی اور داخلی طور پر خوف اور لالچ میں مبتلا ہیں لہذا وہ آرام وآسائش کی زندگی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور دوسرے لوگوں سے کچھ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ ان طاقتوں کے ایک معمولی پولیس سے ڈر جاتے ہیں، اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کردیتے ہیں اور اس کے سامنے اپنے وجود کے اظہار اور سانس لینے کی بھی ہمت نہیں کرپاتے۔ یہ لوگ موت، بیکاری، گرسنگی اور مشکلات وپریشانیوں سے خوفزدہ رہتے ہیں یعنی یہ لوگ چونکہ ان احساسات اور کمزوریوں کے قیدی ہوتے ہیں لہذا اس کا فطری تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خارجی زنجیروں اور غلامیوں کے اسیر بھی ہوجاتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہماری ایرانی قوم کو دیکھ لیجئے۔ سابقہ ظالم شاہی حکومت کے گھٹن کے سایہ میں یہ سانس نہیں لے پاتی تھی پھر بھی کسی کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی تھی اور کسی شخص میں اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ اس وقت کے ناگفتہ بہ حالات، جملہ خرابیوں اور شرارت آمیز ظالمانہ حرکتوں کے خلاف اعتراض کرسکے۔ اور وہ ظالم حکومت بڑی پرسکون زندگی بسر کررہی تھی اور لوگوں کی گردن پر پوری طرح سوار تھی۔ کیوں نہ ہوتی؟ جب دل خدا سے آشنا نہیں ہے تو پھر وہ بندگان خدا پر رحم نہیں کرتا اور اس کے دل میں لطف ومہربانی اور محبت کا گزر نہیں ہوتا۔

جس روز ہماری قوم نے خوف اور لالچ کے حصار کو توڑ ڈالا، مزدور نے اپنی مزدوری، تاجر نے اپنی آمدنی، طالب علم نے اپنے تعلیمی سال اور فوجیوں نے اپنے امتیازات کو نظر انداز

کر دیا۔ جب لوگ داخلی قید وبند سے آزاد ہو گئے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ سڑکوں پر آگئے۔ ان لوگوں نے اپنی مٹھیاں باندھ رکھی تھیں۔ ظالم شاہی حکومت نے دیکھا کہ یہ لوگ اپنے نفس کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں او کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر ظلم سے ٹکرانے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہیں۔ پس ان مٹھی بھر لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ اٹل ارادہ والی قوم پر قابو حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ عالمی سطح پر بھی بالکل ایسا ہی ہے کہ جو قوم اپنے احساسات ،منفی خصلتوں ، بیجا خواہشوں، شہوتوں اور حرص وطمع کی غلام نہیں ہے وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے وجود کی غلامی ہرگز تسلیم نہیں کرے گی اور دنیا کی ظالم وستمگر طاقتوں کے دباؤ کو بھی ہرگز تحمل نہ کرے گی۔ درحقیقت یہ وہ نسخہ ہے جو دنیا کی تمام قوموں کے لئے لائق عمل ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام اقوام عالم کے درد کی کارآمد دوا ہے یعنی انسان کی داخلی اور معنوی آزادی اس کو غلامی کی ان زنجیروں سے نجات و آزادی عطا کردیتی ہے جو انسان کو ان کی نقل وحرکت اور سرگرمی وارادہ سے دور رکھتی ہیں لیکن واضح رہے کہ غلامی واسیری کی یہ زنجیریں اس کے ذاتی وجود کے باہر نہیں ہیں بلکہ خود اس کے وجود کے اندر پائی جاتی ہیں۔ پس اسلام اور مغربی مکاتب فکر کی نظر میں آزادی کے سلسلے میں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان میں اس فرق واختلاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مغربی مکاتب فکر میں انسان کی داخلی آزادی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان کا اخلاق بھی معنویت اور معنوی الٰہی فکر سے بالکل الگ ہے۔ اسی وجہ سے وہ ایک خشک اور بے بنیاد اخلاق بن کر رہ گیا ہے البتہ ان کے معلمین اخلاق اس شعبہ میں طرح طرح کی سفارشیں کیا کرتے ہیں اور اس موضوع پر کتابیں بھی لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن آزادی کی بحث سے علیحدگی کے ساتھ وہ اس کو انسان کی آزادی نہیں تسلیم کرتے ہیں جبکہ اسلام اس کو انسان کی آزادی تسلیم کرتا ہے۔ اس موقع پر اسلامی رہنماؤں کے کچھ اقوال نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ خود اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کی نظر میں یہ آزادی درحقیقت معنوی اور انسان کی داخلی زنجیروں سے

مکمل نجات و آزادی ہے۔

۱۔ لایسترقنک الطمع وقد جعلک اللہ حراً" یعنی اے انسان! حرص ولالچ تجھے اپنا غلام نہ بنانے پائے جبکہ خداوند عالم نے تجھے آزاد خلق کیا ہے۔

آخر وہ آزادی کیسی آزادی ہے جس کو لالچ چھین لیتی ہے؟ انسانی طمع وحرص اس کو اپنا قیدی بنالیتی ہے۔ یہ آزادی نہیں بلکہ آزادی کے بجائے غلامی ہے۔ آخر یہ کونسی منطق ہے کہ انسان آزادی پسند ہو اور خود کو آزاد سمجھتا ہو لیکن اس کا وجود طمع کے بندھن سے جکڑا ہوا ہو۔ درحقیقت یہ آزادی خود بخود غلامی اور بردگی میں تبدیل ہو جائے گی۔

۲۔ من ترک الشھوات کان حراً" یعنی جو شخص ھویٰ و ہوس اور نفسانی خواہشات سے خود کو آزاد کرلیتا ہے وہ واقعی آزاد اور حر ہے۔

جو شخص خواہشات کا غلام اور نفسانی رجحانات کا قیدی ہے وہ آزاد کیسے رہ سکتا ہے۔ جب انسانی طمع وحرص اس کو اپنا غلام بنائے ہوئے ہے تو پھر وہ آزادی کا دعویدار کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ بات اسلامی نقطۂ نگاہ سے آزادی کو اس آزادی سے بالکل علیحدہ کردیتی ہے جو مغربی فکر کی روشنی میں پروان چڑھتی ہے یعنی اندرونی اور روحانی آزادی کا یہ تصور اسلامی اور مغربی آزادی کے درمیان واضح فرق اور دوری پیدا کردیتا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہے تو اسے آزاد چھوڑدو یہ آزادی نہیں ہے بلکہ یہ غلامی ہے۔ کوئی بیرونی عنصر یا سبب کسی شخص کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا ہے جیسا کہ اندرونی شہوت اور "ھویٰ" وہوس اس کو اپنی اسیری کی زنجیروں میں جکڑ لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ آج دنیا کی سامراجی طاقتیں اقوام عالم اور نامور شخصیتوں، یہاں تک کہ مجاہدوں اور مخلص رضا کاروں کو اپنا غلام بنانے کے لئے اسی ہتھکنڈوں کا استعمال کررہی ہیں اور ان لوگوں کو شہوت کے جال میں پھنسا دیتی ہیں۔ آج دنیا کے کونے کونے میں جاسوسی کا کام کرنے والی تنظیمیں بھی اپنے مشن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسی روش کا استعمال کررہی ہیں۔ وہ جن شخصیتوں سے مرعوب

ومتاثر ہوتی ہیں یا رکاوٹ، خطرہ محسوس کرتی ہیں اپنی خفیہ اور مرموز روش کے ذریعہ انھیں دولت، عورت اور شہوت کے جال میں اس طرح گرفتار کرلیتی ہیں کہ انھیں پتہ بھی نہیں لگ پاتا اور دیکھتے ہی دیکھتے آزادی کا دم بھرنے والا اور ظلم کے خلاف فلک شگاف نعرہ بلند کرنے والا شخص ان تنظیموں کا فرمانبردار غلام بن جاتا ہے۔ پس شہوتوں کے ذریعہ بھی انسانوں کو اسیری اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑا جا سکتا ہے۔

۳- من زهد فی الدنیا اعتق نفسه وارضی ربه۔'' جو شخص دنیا کی چمک دمک اور دنیوی رجحانات سے لاپرواہی اختیار کرتا ہے وہ درحقیقت خود کو آزاد اور اپنے خدا کی خوشنودی حاصل کرلیتا ہے۔

۴- الحر حر فی جمیع احواله ان نابته نائبه صبر لها وان تداکت علیه المصائب لم تکسره۔'' آزاد شخص ہر حالت میں آزاد ہوتا ہے۔ اگر اس پر سختی کی جاتی ہے تو بڑے صبر کے ساتھ وہ اس کو تحمل کرلیتا ہے۔ وہ مصائب و پریشانی اور خوف و مصیبت سے گھبراتا نہیں ہے۔ اگر مصیبتیں چاروں طرف سے اس پر حملہ آور ہو جائیں او اس پر ہر طرح کے دباؤ ڈالے لگیں تو بھی وہ اپنے موقف سے روگردانی نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو آزاد کہا جاتا ہے اور اسلامی مفہوم میں ایسی ثابت قدمی کو آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسلامی اور مغربی افکار وعقائد کی روشنی میں آزادی کے حقیقی مفہوم و معنی کے درمیان موجود فرق کا خاکہ پیش کیا جاچکا۔ جس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی اصطلاح میں آزادی کا مطلب صرف بیرونی قید و بند اور غلامی کے ظاہری بندھنوں سے دوری اختیار کرلینا نہیں ہے بلکہ غلامی کی داخلی زنجیروں سے چھٹکارا حاصل کرنا سب سے بڑی اور اہم آزادی ہے اور اگر کوئی شخص ظاہری آزادی سے مالامال اور داخلی آزادی سے محروم ہے تو اسلامی افکار وعقائد کے بموجب وہ آزاد نہیں ہے۔

اس جگہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ''تقویٰ''

اور ”تزکیہ“ جیسے مقدس الفاظ کو باربار استعمال کیا گیا ہے اور ان الفاظ پر بڑی تاکید بھی کی گئی ہے کیونکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان آزادی کی راہ میں آنے والی اندرونی اور داخلی رکاوٹوں پر غلبہ حاصل کر لے۔

تقویٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنا دفاع کرے اور اپنے نفس کو شہوتوں ،نفسانی خواہشوں ، جہالتوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اس کو صحیح انسانی اور الٰہی راہ پر ثابت قدم رکھے اور ادھر ادھر بھٹکنے نہ دے۔تزکیہ کا مطلب ہے کہ انسان قلبی اور روحانی مفاسد نیز بدعنوانیوں اور جھمیلوں سے دوری اور علیحدگی اختیار کیے رہے۔ اگر کسی شخص میں تقویٰ اور تزکیہ پیدا ہوگیا تو حقیقی اعتبار سے وہ شخص آزاد ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتوں پر بھی وہ فتح حاصل کرسکتا ہے اور اس اعتبار سے اس میں یہ صلاحیت بھی پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ آزادی کو دھمکی دینے والی طاقتوں پر بھی غلبہ حاصل کر لے۔

آپ لوگوں میں سے اکثر افراد نے دیو جانس کی داستان سنی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ سکندر مقدونی نے اپنے دورحکومت میں دنیا کے بہت بڑے علاقے پر فتح حاصل کررکھی تھی۔ وہ ایک جگہ سے گزر رہا تھا لوگ اس کی تعظیم میں زمین پر بچھے جارہے تھے اور اس کی تعریف میں ہمہ تن سرگرم تھے۔ لیکن پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ایک مردفقیر سڑک کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس فقیر نے سکندر کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اسے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگ اس آدمی کو سکندر کے پاس لے گئے ۔سکندر نے پوچھا ”تو نے میرا احترام کیوں نہیں کیا؟

اس نے جواب دیا کہ میں تیرا احترام کیوں کروں ۔تو تو میرا غلام ہے۔“

سکندر نے حیرت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔”تو پاگل تو نہیں ہوگیا کہ مجھ جیسے آدمی کو اپنا غلام کہہ رہا ہے۔اس مردفقیر نے جواب دیتے ہوئے فرمایا۔” اے سکندر! تو تعجب مت کر کیوں کہ تو اپنی شہوت اور اپنے غصہ کا غلام ہے اور میں نے شہوت اور غصہ پر غلبہ حاصل کر رکھا ہے۔

جی ہاں! جس شخص نے شہوت، نفسانی خواہش اور غصہ پر قابو حاصل کرلیا ہے وہ یقیناً آزاد ہے کیونکہ وہ شہوت کا غلام نہیں بلکہ خود شہوت اس کی غلام ہے اور یہ شخص ہر اس آدمی یا ادارہ سے زیادہ طاقتور ہے جو مادی طاقتوں سے مالامال تو ہے لیکن اپنی ذاتی خواہشات کا غلام بھی ہے۔ پس اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ حکماء علماء، دانشمند، انبیاء اور فرادمعرفت کے پاس ظاہری طاقت تو نہیں ہوتی تھی پھر بھی ان لوگوں نے سکندر اور کوروش جیسے متعدد حاکموں اور بادشاہوں پر شاندار کامیابی حاصل کرلی۔ انھیں اپنے دورحیات میں تو کامیابی نہیں ملی لیکن تاریخ میں کامیاب ہوگئے۔

دنیا کے نامورحکمرانوں اور بادشاہوں کا تونام ہی باقی رہ گیا اور نام کے ساتھ صاحبان عقل کی لعنت وملامت کے علاوہ تاریخ میں کچھ باقی نہ رہ گیا لیکن آج انسان جو زندگی بسر کررہا ہے، جہاں تک اس میں عقل ودانش اور فہم فراست پائی جاتی ہے، جس حد تک وہ شریف افکار وعقائد پیش کرتا ہے اور جس حد تک اس میں نیک انسانی خصوصیات دکھائی دیتی ہیں یہ سب کچھ درحقیقت ان حکماء، عرفاء اور دانشمندوں کے نقش قدم کی پیروی ہے جن کی فکر انسانی تاریخ میں موجود ہے۔ جن لوگوں نے ظلم وجبر اور زیادتی وناانصافی کے خلاف ثابت قدمی سے کام لیا ہے۔ اگر چہ وہ لوگ خود تو چلے گئے لیکن ان کی فکر باقی رہ گئی اور ان کا تیر صحیح نشانہ پر بیٹھ گیا۔ آج دنیا میں رائج مغربی تہذیب وتمدن کی آزادی اور اسلامی فرہنگ وثقافت کے سایہ میں پروان چڑھنے والی آزادی کے درمیان یہی بنیادی فرق واختلاف ہے جس کے بارے میں ہم لوگ بحث کررہے ہیں اور جن کے مختلف حصوں کا تجزیہ آگے پیش کیا جائے گا۔

۲۔ آزادی کی بنیاد اور اس کا مقصد:

بظاہر یہ ایک سادہ اور معمولی بات ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صاحبان عقل فکری مباحث میں دلچسپی رکھنے والے اور اسلامی مسائل کے بارے میں غوروفکر کرنے والے اس حقیقت سے بھی بخوبی آشنا ہوں اور اس کے سلسلے میں حسب ضرورت گہرا مطالعہ بھی کریں

کیونکہ مغربی تہذیب وتمدن والی آزادی اور اسلامی ثقافت میں موجود آزادی سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ جب موجودہ مغربی تہذیب کے متوالے یہ کہتے ہیں کہ انسان کو آزاد رہنا چاہئے تو ان کی اس آزادی کا مطلب ومقصد اس آزادی سے بالکل مختلف ہے جس آزادی کا مطالبہ انسان کرتا ہے اور جو اسلامی قوانین کے برعکس ہے۔ چنانچہ موجودہ مغربی تہذیب میں آج جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کو آزاد ہونا چاہئے تو یہ آزادی ایک مخصوص فلسفہ وبنیادی فکری مقصد کی حامل ہوتی ہے اور جب اسلام کہتا ہے کہ انسان کو آزادی حاصل ہونی چاہئے تو وہ ایک دوسرے فلسفہ ومقصد وبنیاد کی حامل آزادی ہے۔

مغرب میں آزادی کی بنیاد انسانی مطالبات اور رجحانات ہیں جب ہم مطالبات اور رجحانات کہتے ہیں تو اس کا مقصد فقط عقلی اور منطقی رجحانات بھی نہیں ہے۔ پس مغربی تہذیب وتمدن میں جب آزادی کی بات کرتے ہیں تو اس میں سیاسی آزادی بھی شامل ہوتی ہے، یعنی سیاسی سرگرمی وحق رائے دہندگی، حق انتخاب، حق قانون سازی، حق کسب وکار اور دیگر امور میں لازمی حق وغیرہ جس میں انسان کی انفرادی شہوانی سرگرمیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر لوگ یہ کہیں فلاں مرد یا عورت مجمع عام میں سڑک پر ایسی نامناسب اور اعتراض آمیز حالت میں کیوں نکلتا ہے اور ایسی نازیبا حرکتیں کیوں کرتا ہے جس کو دیکھ کر عام آدمی کو شرم محسوس ہونے لگتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اس کی مرضی ہے۔ وہ آزاد ہے، جو دل چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔

آزادی کا فلسفہ، چاہنا اور طلب کرنا ہے یعنی انسان کی دلی خواہش وتمنا اور مغرب میں آزادی کی بنیاد یہی چاہت اور تمنا ہے۔ اگرچہ مغرب میں یہ کہتے ہیں کہ آزادی قانون کی پابند اور قانون کے دائرہ میں محدود ہے لیکن خود وہ قانون بھی افراد کی خواہشات اور تمناؤں کا نتیجہ ہوتا ہے کیوں کہ مغربی تمدن اور جمہوریت میں عوام کی اکثریت ہی قانون کا تعین کرتی ہے۔ چونکہ ان کا دل چاہتا ہے اور وہ یہ فکر بھی کرتے ہیں کہ یہ اچھا اور مناسب ہے۔ قانون

کی خوبی کی دلیل اس کا انسانی قدروں کے مطابق ہونا لازمی نہیں ہے۔ معاشرہ میں رہنے والے افراد کی اکثریت کی خواہشات اور تمنائیں قانون اور نظام کی تخلیق کرتی ہیں اور یہ قانون ونظام عمومی آزادیوں کو اپنے چوکھٹے کے اندر محدود کردیتی ہے۔ پس مغربی تہذیب وتمدن میں آزادی درحقیقت انسانوں کی دلی خواہشات اوران کی تمناؤں سے جڑی ہوئی ہے۔

البتہ یہ عرض کردینا بھی لازمی ہے یہ معاملہ کا ظاہری رنگ وروپ ہے۔ موجودہ مغربی تہذیب وتمدن میں یہ چیزیں بھی اپنی حقیقی صورت میں موجود نہیں ہیں۔ اگر آج کوئی شخص مغربی مسائل ومعاملات کے بارے میں غوروفکر کرے اور ان کی مشکلات کا مطالعہ کرے تو اسے بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ ایک مخصوص جماعت سے وابستہ افرادعی اکثریت کی رائے کی تشکیل کا کام انجام دیتے ہیں جیسے امریکہ جیسے بعض ممالک میں موجود اورسرگرم صہیونی سیاسی اور اقتصادی گروہ جومختلف سیاسی اور اقتصادی اداروں اور تنظیموں سے وابستہ ہوا کرتے ہیں پس مغربی دنیا میں آزادی کی بنیاد معاشرہ کے ممتاز طبقوں کے مطالبات پر قائم ہے جن میں سرمایہ داروں، کمپنی کے مالکوں، سرگرم بین الاقوامی اقتصادی موقوفات کے ذمہ داروں، ہوٹل مالکوں اور بین الاقوامی تجارتی کمپنی کے مقتدر افراد کی سرگرم موجودگی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اگر یہ ضروری سمجھ لیتے ہیں کہ فلاں شخص کو ملک کا صدر جمہوریہ ہونا چاہئے تاکہ اس کی حکومت کے زمانہ میں ان کے اقتصادی منصوبوں کوعملی جامہ پہنایا جاسکے تو یہ لوگ اپنے جملہ امکانات اور اختیارات کو اس مطلوبہ شخص کی حمایت میں صرف کرنے لگتے ہیں۔ ابلاغ عامہ کے وسائل کو جن میں اکثر انہیں بین الاقوامی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، منہ مانگی قیمت دیکر خرید لیتے ہیں تاکہ ان وسائل کے ذریعہ رائے عامہ کومطلوبہ شخص یا سیاسی پارٹی کی طرف موڑسکیں اور لوگ اسی شخص یا پارٹی کے حق میں ووٹ ڈالیں جس کو ان لوگوں کی حمایت حاصل ہے۔

آج عالمی سیاست میں یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ امریکہ میں اگرکوئی شخص بڑی

کمپنیوں اور طاقتور و مشہور اقتصادی گروہوں سے ٹکراتا ہے تو اس کا سیاسی مستقبل یقینی طور پر تاریک ہوجاتا ہے ،وہ عام انتخابات میں کامیابی نہیں حاصل کرپاتا ہے اور اقتدار کی باگ ڈور اس کے ہاتھوں میں نہیں پہونچ پاتی ہے اور اگر اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان لوگوں کی مرضی کے مطابق کام انجام نہیں دیتا ہے تو اس کو مسند اقتدار سے نیچے گھسیٹ لیتے ہیں یا اس کو قتل کردیتے ہیں یا اس کے لئے طرح طرح کی پریشانیاں پیدا کرتے رہتے ہیں چنانچہ اس قسم کے نظام میں ایسے حوادث اکثر رونما ہوتے رہے ہیں اور سبھی لوگ اسکے شاہد ہیں۔پس اگرچہ آزادی عام انسانوں کی خواہش وتمنا پر مبنی کہی جاتی ہے لیکن بنیادی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میں عام لوگوں کی خواہش وتمنا اور معاشرہ کے لوگوں کے مطالبات کا کوئی عمل ودخل نہیں ہوا کرتا بلکہ اس آزادی کی، جو قانون اور نظام کی تشکیل کرتی ہے ،فطری بنیاد درحقیقت بڑے بڑے ہوٹلوں ،کمپنیوں مختلف اور سیاسی واقتصادی گروہوں سے وابستہ شخصیتوں پر قائم ہوتی ہے اور ان لوگوں کی خواہش کو عام لوگوں کی خواہش بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

مغرب میں آزادی کی بنیاد یہ ہے کہ اسی تصور وتفکر کی بنیاد پر عالمی انسانی حقوق منشور کی تشکیل عمل میں آئی اور اگر آپ اس منشور کا مطالعہ کریں تو اس میں تمام دنیا کے لوگوں کے لئے فکروعقیدہ اورراہ وروش کے اعتبار سے مختلف قسم کی آزادیوں کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتاہوں کہ دنیا کے ایک ملک میں یہاں تک کہ ان ممالک میں بھی جن کے رہنماؤں نے عالمی انسانی حقوق منشور پر دستخط کئے ہیں یا ان ممالک میں جو آج آزادی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں ،کہیں کوئی ایسا ملک نظر نہیں آتا جہاں عالمی انسانی حقوق منشور میں درج شدہ باتوں پر عمل کیا جارہا ہو۔اگرچہ اس میں عام انسان کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہے پھر بھی جب ان کے مفاد ومصالح سے میل کھاتا ہے اور وہ ان لوگوں کو بیحد پسند بھی ہے اور آئے دن اس کی حمایت میں فلک شگاف نعرے بھی بلند کرتے ہیں تو کم از کم ان کو عملی رنگ وروپ تو دیا ہوتا۔

پس آپ لوگوں نے خود ہی مشاہدہ کیا ہوگا کہ مغربی ناظرین اور مصنفین کی نظر میں دنیا کے وہی ممالک زیادہ آزاد کہے جاتے ہیں جہاں جنسی اور شہوانی خواہشات کی زیادہ سے زیادہ ترویج دکھائی دیتی ہے۔ جب لوگ یہ دریافت کرتے ہیں کہ دنیا کے کون سے ملک تمام ممالک سے زیادہ آزاد ہیں؟ تو یہ لوگ بعض ایسے اسکانڈینیاوی اور شمال مشرقی یوروپ کے ملکوں کا نام لیتے ہیں جہاں جنسی آزادی نہیں بلکہ جنسی بدعنوانی عام طور پر رائج ہے اور اس بدعنوانی کو یہ لوگ آزادی کے کھاتہ میں ڈال کر دنیا کے سامنے انھیں آزادی کا نمونہ بنا کر پیش کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے آزادترین ملک ہیں۔ پس مغربی دنیا میں آزادی کا حقیقی مفہوم یہی ہے کہ انسانی خواہشات اور اس کی شہوانی اور نفسانی تمناؤں نیز قوۂ غضبیہ وشہویہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس پر کسی طرح کی کوئی پابندی یا روک ٹوک نہ لگائی جائے بلکہ ان لوگوں کو بے روک ٹوک آزادی سے فائدہ اٹھانے کے لئے قانونی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں۔ واضح رہے کہ ان معاشروں میں جو قانون بنائے جاتے ہیں وہ بھی اسی بے لگام انسانی خواہش کے سایہ میں تشکیل پاتے ہیں۔

❀❀❀